eISSN: 2707-6229
pISSN: 2707-6210

Vol. 3 No. 4 (2025)

Ashfaq Ahmed's Specific Intellectual Attitudes

اشفاق احمد کے مخصوص فکری رویے

Dr. Rubina Rasheed
Assistant Professor, Department of Urdu, Women's University, Mardan
Corresponding Email: dr.robinarashid@wumardan.edu.pk
DOI: https://doi.org/10.56276/tasdiq.v7i2.34

Abstract

Ashfaq Ahmed (1925–2004) remains a seminal figure in Urdu literature, yet his personality presents a complex study of contradictions between hereditary influences and individual spiritual evolution. This research explores the environmental and psychological factors that shaped his unique role as a "Dastan-go" (storyteller) and social reformer.

The study employs a qualitative analytical approach, utilising biographical records, personal interviews, and testimonials from contemporaries (such as Mumtaz Mufti and Bano Qudsia) to dissect Ahmed's social, religious, and political orientations.

The analysis reveals that Ahmed's persona was a conscious departure from his strict Pathan familial background, evolving from an isolated intellectual in his "Nim-Chatti" (attic) to a public Sufi mentor. Religiously, he avoided sectarianism, focusing instead on strengthening the individual's bond with the Divine through relatable human experiences. Politically, while his professional role at the Urdu Science Board brought him close to various regimes—including those of Zia-ul-Haq and Bhutto—the study finds his engagement was observational rather than partisan. Individually, he exhibited a "dualistic" nature: a public communicator hiding a private, meditative silence.

The study concludes that Ahmed's life work was a structured effort to mitigate social decay through constructive rebellion and spiritual enlightenment, leaving a legacy of "Dastan Saraye" as a beacon for self-actualisation.

Keywords:

Ashfaq Ahmed, Urdu Literature, Socio-Psychological Analysis, Sufism, Dastan-go, Cultural Identity.

Received: 08-11-2025 **Accepted:** 15-12-2025 **Online:** 31-12-2025

This article is licensed under the Creative Commons Attribution (CC BY 4.0).
Free use, distribution, and reproduction permitted with proper citation of the original work.
© The Author(s).

eISSN: 2707-6229
pISSN: 2707-6210

Vol. 3 No. 4 (2025)

دنیا میں ہر انسان کے اندر دوسروں سے مختلف نظر آنے کی خواہش جبلی طور پر موجود ہوتی ہے اور یہی خواہش اس سے وہ سارے کام کرواتی ہے جن کی وجہ سے وہ سماجی طور پر اپنی شخصیت اور اپنے کردار وافعال کو دوسروں کے سامنے منفرد انداز میں پیش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ہر شخص کا آئیڈیل دوسروں سے مختلف ہوتا ہے۔ سماجی رویوں میں مختلف عوامل اپنا کردار ادا کرتے ہیں جن میں خاندانی پس منظر، تعلیم و تربیت، افکار و نظریات اور مذہب و مطالعہ کا کردار اہم ہوتا ہے۔ یہی رویے اشفاق احمد کی شخصیت بنانے میں اہم کردار ادا کرتے رہے۔

اشفاق احمد خاندانی طور پر پٹھان فیملی سے تعلق رکھتے تھے۔ اگر ان کی طبیعت سخت گیر کے حوالے سے دیکھیں تو ان کے اندر پٹھانوں کی خو نظر آتی ہے۔ ان کے والد انتہائی سخت گیر تھے۔ اکثر معاملات میں اشفاق احمد کی شخصیت میں ان کے والد کی خصوصیات ملتی ہیں جو ان کے خاندانی رویوں کی عکاس ہیں۔ جمیل احمد راٹھور اپنے مضمون ''زاویہ۔ کون سا؟'' میں اشفاق احمد کے سخت گیر رویہ کے بارے میں لکھتے ہیں :

> ''اس نے میرے دفتر میں مجھ سے ڈرتے ڈرتے پوچھا کہ سر You Don't mind if ask you direct question کہ آپ اپنی بیوی کو صبح کے وقت مارتے ہیں یا شام کو مارتے ہیں؟ تو میں نے کہا، شام کے وقت میں دفتر سے تھکا ہارا جاتا ہوں تو ٹھیک سے مار نہیں سکتا۔ اس لیے صبح جب میں فریش ہوتا ہوں تو بانو قدسیہ کو ''کھڑکا'' جاتا ہوں۔"(1)

اشفاق احمد ہوش سنبھالنے کے ساتھ ساتھ ہی اپنی فیملی سے ذہنی طور پر دور ہوتے گئے۔ جس کا واضح ثبوت مزنگ روڈ پر ان کے آبائی مکان میں ان کا الگ سے بیرونی منزل والا دوسرا کمرہ ہے۔ وہ اپنا زیادہ وقت اسی کمرے میں گزرتے تھے۔ جہاں ہر طرف بکھری ہوئی کتابیں، چائے کا سامان اور مختلف طرح کی چھوٹی بڑی مشینیں پڑی رہتی تھیں۔ اشفاق احمد اس نیم چھتی میں تنہا ہوتے۔ اپنے خیالوں میں گم ہوتے۔ چائے بناتے رہتے اور ان کارآمد و ناکارہ ہتھیاروں کے ساتھ لگے رہتے۔ ممتاز مفتی اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''اس زمانے میں ایک ویران نیم چھتی میں تنہائی، دکھ اور چپ کے بنیادی رنگوں سے قدرت ایک فنکار کی تخلیق کر رہی تھی۔"(2)

اس نیم چھتی کے کمرے میں ان کے سارے دوست ہوتے تھے۔ یہ لوگ انتہائی اہم موضوعات پر اسی ایک کمرے میں بیٹھ کر تبادلہ خیال کرتے۔ چنانچہ خاندانی پس منظر سے بغاوت کا عنصر ان کی شخصیت کا حصہ بنتا گیا۔ آج دنیا اشفاق احمد کو تو جانتی ہے لیکن اشفاق خان یا اشفاق احمد خان کو کوئی نہیں جانتا۔ اسی پہلو کی وجہ سے اشفاق احمد کے سماجی رویے میں ان کے خاندانی پس منظر نے بجائے خرابی پیدا کرنے کے خوبیاں ہی خوبیاں بھر دیں۔ تعلیم و تربیت نے بھی اشفاق احمد کی سماجی رویے پر ضرور اثر ڈالا۔ اشفاق احمد شروع سے ہی ادب کی طرف مائل تھے۔ جب میٹرک میں تھے تو لکھنا شروع کیا تھا۔

eISSN: 2707-6229
pISSN: 2707-6210

Vol. 3 No. 4 (2025)

اشفاق احمد ہر چیز کا مشاہدہ کرتے تھے اور اس چیز میں سے اپنی داستان گوئی کے لیے مواد اکھٹا کرتے تھے۔ وہ صوفی تھے لیکن انہوں نے اپنے قول و فعل سے کبھی اقرار نہیں کیا بلکہ وہ سماجی طور پر ایک ایسے بابا تھے جو چھوٹی چھوٹی باتوں، تجربات اور اپنے اوپر وارد ہوتی ہوئی کیفیات کو اپنے مخصوص انداز میں لوگوں کے سامنے بیان کر کے ان کے لیے ایک مثبت راستہ بناتے تھے۔ وہ وعظ و نصیحت کے قائل نہیں تھے۔ وہ لوگوں کے تعلق کو اللہ کے ساتھ ایمان اور یقین کو مستحکم کرنے کے لیے جوڑتے تھے۔ ان کے ہاں دیومالائی اور داستانیں قصے اور کہانیاں نہیں تھیں بلکہ الفاظ اور تجربات کی بھٹی میں کندن بنے ہوئے ایک شوریدہ سر آدمی کے افکار تھے۔ بقول ممتاز مفتی، اشفاق احمد اپنی ذاتی اور قلبی کیفیات کے اظہار میں ایک گونگا آدمی تھا لیکن سماجی معاشرتی طور پر ایک طوائف کی طرح اپنے ارد گرد تماش بینوں کے درمیان خوش رہنے والا آدمی تھا جس میں اس کی تعلیم و تربیت اپنا کردار ادا کرتی رہی۔ ایک جاہل اور ناخواندہ انسان کبھی بھی معاشرہ میں ایسا مقام نہیں حاصل کر سکتا اور اس کی آواز کو شاید ہی کوئی آدمی اپنی زندگی گزارنے کا زادِ راہ سمجھتا ہو۔ داستان گو کی یہی سب سے بڑی خوبی ہے کہ اس کے مشاہداتی علم کے تمام عکس اس کی باتوں میں اور لوگوں کے ساتھ اس کے تعلق میں ملتے ہیں۔

مذہبی طور پر اشفاق احمد کسی مخصوص مکتبہ فکر کے ساتھ نہ تو منسلک رہا اور نہ ہی انہوں نے اپنے مطالعہ کو اس نہج پہ لایا کہ وہ فروعی اختلاف و مسائل کے بارے میں لکھی گئی کتابوں سے اکتساب علم کرتا بلکہ مذہب نے ان کے شخصیت پر مثبت تاثر چھوڑا۔ وہ ایک مذہبی انسان تھے لیکن سماجی طور پر وہ اپنی تحریروں میں کہیں بھی قاری کو مخاطب کر کے مذہبی باتیں اور پند و نصیحت کرتے ہوئے نظر نہیں آتا۔ اشفاق احمد غیر محسوس انداز میں مذہبی تعلیمات کا پرچار کرتے نظر آتے ہیں۔ وہ اپنی تحریروں میں قاری اور ناظر کو سوچنے کے لیے ایک انداز فکر دیتے ہیں۔ وہ بندے اور خدا کے معاملات کو ان کے درمیان ہی چھوڑتے ہیں۔ اس کے بعد وہ اللہ اور اس کے بتائے ہوئے راستوں کو اپنے پڑھنے والوں کے راستے میں واضح طور پر پیش کر کے اختیار کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ ان پر چھوڑتے ہیں۔ ان کو مجبور نہیں کرتے اور نہ ہی روایتی طور پر علما کے بیان و تقاریر میں موجود خوف اور ڈرانے کے بیان کا استعمال کرتے ہیں۔ اشفاق احمد ہمیشہ آدھی بات میں پوری بات کہنے کا ملکہ رکھتے تھے اور یہ خصوصیت بہت کم لوگوں میں ہوتی ہے۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے خیالات و افکار میں معاشرے کے اس طبقے کے لیے مخصوص ہیں۔ جن کے اذہان و قلوب میں تلاشِ حق موجود ہے۔ گویا اشفاق احمد سماجی طور پر ایک ایسا داستان گو ہے جو کہ معاشرے کے بگاڑ کو اپنی باتوں اور تحریروں سے بنانے اور سنوارنے میں لگا رہا۔

اشفاق احمد کی سیاسی وابستگی کسی بھی مخصوص سیاسی جماعت کے ساتھ نہیں تھی۔ وہ آمریت کو جمہوریت سے بہتر تصور کرتے ہیں۔ ضیاء الحق کے دور میں ان کے اوپر یہ الزام بھی لگا کہ وہ ضیاء الحق سے پیسے لے کر لکھتے تھے۔ وہ اس الزام کے بارے میں ایک انٹرویو میں کہتے ہیں:

eISSN: 2707-6229
pISSN: 2707-6210

Vol. 3 No. 4 (2025)

''سچ مچ حسن اتفاق ہے لیکن یہ اتنا پکا ہو گیا کہ میری تحریریں ضیاء الحق کو تقویت دینے کے لیے ہیں اور اس کے جواب میں مجھے سرگودھا میں ایک مربع ملتا ہے (مزاحیہ انداز میں) اس لحاظ سے وہاں پر میرے کوئی ۶۲۱ مربعے ہیں۔ میں نے بھٹو صاحب کے زمانے میں بھی ایسے ہی ڈرامے لکھے۔"(3)

اشفاق احمد ۲۶۹۱ء سے اردو سائنس بورڈ کے ڈائریکٹر جنرل کی حیثیت سے فرائض انجام دیتے رہے یہی وجہ ہے کہ ان کا واسطہ ہر قسم کے سیاسی اور مذہبی رہنماؤں یا حکومتوں کے ساتھ رہا۔ بقولِ اے حمید جب اشفاق احمد کو ''ایک محبت سو افسانے'' کے بعد شہرت ملی تو اس کی دوستی کے معیار تبدیل ہونا شروع ہو گئے اور وہ ان لوگوں کی دوستیوں میں زیادہ آسانیاں محسوس کرنے لگا جن کا ایوان اقتدار کی بارہ دریوں میں آنا جانا تھا۔ لیکن اس بات کو ان کے کسی بھی سیاسی پارٹی کے ساتھ وابستہ ہونے کا ثبوت نہیں کہا جا سکتا۔ ضیاء الحق کے حوالے سے اپنے ایک انٹرویو میں ان کے خیالات کچھ اس طرح ہیں:

''ضیاء الحق بے چارے تو آمریت کے آدمی تھے اور اپنے آپ کو انہوں نے برسر اقتدار رکھنا تھا۔۔۔ جھوٹ نہیں بولتے تھے لیکن ان کا ہر فعل جھوٹ میں تبدیل ہو جاتا تھا۔ ایسا وہ جان بوجھ کر اور سوچ کر نہیں کرتے تھے۔ ان کے اندر سے ہی یہ بات اُٹھتی رہتی تھی۔ انہوں نے کبھی بدنیتی سے کبھی کام ایسا نہیں کیا لیکن وقت کا تقاضا ہی ایسا تھا۔"(4)

ان الفاظ میں انہوں نے ضیاء الحق کی سیاست کی وضاحت کر دی۔ چونکہ سیاسی طور پر ان پر ضیاء الحق کے دور میں زیادہ الزام لگے کہ انہوں نے مطلب حاصل کیا اور ضیاء الحق سے پیسے بٹورتا رہا۔ اشفاق احمد اپنے اوپر لگے گئے الزام کا ذکر ضرور کرتے اور الزام کو ختم کرنے کی بھی ضرور کوشش کرتے تھے۔ اپنے ایک انٹرویو میں ضیاء الحق کے حوالے سے ان کے تعلقات کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے صفائی دینے کے انداز میں بتایا:

''جنرل ضیاء سے میں صرف چار مرتبہ ملا ہوں تین مرتبہ وہ اچھے موڈ میں تھے لیکن چوتھی مرتبہ ان کے پاس میری پیشی تھی۔ میں نے ایک ڈراما سیریز میں ارتکاز دولت پر تنقید کی جس پر کراچی کے تاجروں نے ضیاء الحق کو تار بھیجے کہ یہ ڈراما لکھنے والا کوئی سوشلسٹ ہے چنانچہ مجھے اسلام آباد سے بلا لیا گیا جنرل صاحب میرے ساتھ کافی سختی سے پیش آئے ورنہ کئی لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ شاید میری ان سے اکثر ملاقاتیں ہوتی تھیں اور وہ میری جیب میں چپکے سے لاکھ دو لاکھ ڈال دیتے تھے۔"(5)

اسی طرح بھٹو کے دور میں اشفاق احمد نے بھٹو کو جیسا پایا ویسا بیان کیا ان کے حوالے سے وہ کہتے ہیں:

''بھٹو صاحب ایک پڑھا لکھا ولایت زدہ آدمی تھا اس کی سوچ زمینی نہیں تھی جیسی اس کی بیٹی کی تھی۔"(6)

eISSN: 2707-6229
pISSN: 2707-6210

Vol. 3 No. 4 (2025)

بے نظیر کے دور حکومت میں اشفاق احمد کو ڈائریکٹر جنرل بورڈ کی ملازمت سے سبکدوش کر دیا گیااور نواز شریف کے اقتدار میں دوبارہ ملازمت پر بحال کر دیا گیا۔ مشرف کے دور حکومت میں پرویز مشرف کے ساتھ بھی ان کی ملاقات ہوئی تھی اور وہ پرویز مشرف کو ابتدائی دنوں میں ایک اچھا حکمران تصور کرتے تھے۔ بعد میں ان کو اپنی رائے تبدیل کرنا پڑی۔

اشفاق احمد ایک وسیع المطالعہ شخص تھے۔ یہی مطالعہ ان پر فکر اور علم و آگہی کے دریچے کھولتا گیا۔ اس سلسلے میں وہ ایک محو جستجو آدمی تھے اور وہ حالات و واقعات سے ہر وقت کچھ نہ کچھ نتائج اخذ کرنے میں لگا رہتا تھا۔ اس کے سامنے پیش آنے والے تمام حالات اس کے لیے ایک سبق کا درجہ رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ سننے سے زیادہ بولنے کو ترجیح دیتے تھے اور ان کے لیے ایک خاموش سامع پسندیدہ آدمی رہا۔ اس سلسلے میں وہ خود کہتے ہیں:

> ''میرے اس پروگرام ''زاویہ'' پر جہاں اور بہت سے اعتراض ہوتے ہیں، خاص طور پر ایک بات بار بار کہی جاتی ہے اور پوچھی جاتی ہے کہ آپ کے جو مہمان ہوتے ہیں وہ کوئی بات خود سے نہیں کرتے یا آپ انہیں کہنے نہیں دیتے۔ تو میں عرض کیا کرتا ہوں کہ میں کہنے نہیں دیتا۔ اس لیے کہ میں اپنی داستان گوئی ان کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔"(7)

اس کی ہم شخصیت کا یہ ایک منفرد پہلو یہ بھی ہے کہ وہ بیک وقت اپنے ارد گرد مجمع لگا کر نوٹنکی تھا اور ساتھ ساتھ اپنی ذات میں تنہا مسافر بھی تھا۔ یعنی ان کی شخصیت اندر اور باہر سے مختلف ہے۔ بیرونی طور پر وہ اپنے ارد گرد مجمع اکھٹا کرنے والا تھا اور اس کو ہمیشہ سے شمع محفل بننے کا شوق رہا۔ لیکن وہ نہ اپنی کہنے والا تھا اور دوسروں کی نہ سننے والا بلکہ اپنے کیے ہوئے کو منوانے کی خواہش بھی رکھتا تھا۔ لیکن اندر سے وہ بہت اکیلا تھا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے اشفاق احمد کو لکھنے کی جو صلاحیت ودیعت کی گئی تھی اس صلاحیت سے اس نے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ پہلے وہ افسانے لکھتے رہے۔ پھر وہ ریڈیو پر گرام تلقین شاہ لکھتے رہے۔ اس پروگرام میں بھی خود کو منواتے رہے۔ کسی دوسرے کو اہمیت نہ دی۔ لکھا بھی خود اور اس میں بطور کردار خود ہی شامل ہوئے۔ کیونکہ وہ اپنے نظریات خود ہی دوسروں تک پہنچانا چاہتے تھے۔ بعد میں پی ٹی وی ڈرامے لکھنے شروع کر دیے۔ اس میں ان کی داستان گوئی کا بڑا دخل رہا۔ اس میں ہمیں وہ ایک متلاشی روح کی صورت میں ملتا ہے۔ جو اپنے معاملات میں گونگا ہے۔ جس کو بانو قدسیہ کو اپنانے میں سالوں لگ گئے اور وہ کسی سے اپنے دل کی بات نہ کر سکا۔ اندر ہی اندر سلگتا رہتا۔ بقول ممتاز مفتی:

> ''اشفاق احمد طبعاً ایک گیلی لکڑی ہے۔ بھڑک کر جلنے کی صلاحیت سے محروم، صرف سلگنا جانتا ہے۔ سالہا سال سلگتا رہا۔ محترمہ میں انتظار کرنے کا حوصلہ تھا۔ حالات نامساعد تھے۔ خاندان روایتی تھا۔ باپ جابر تھا۔ اشفاق گونگا تھا۔

eISSN: 2707-6229
pISSN: 2707-6210

Vol. 3 No. 4 (2025)

آخری قدم اٹھانے کی ہمت نہ تھی۔ایک بھائی اور دوستوں نے زبردستی اٹھاکر ملا کے سامنے بٹھادیا۔ محترمہ کی والدہ تعلیم یافتہ تھی۔ سمجھ دار تھی۔وسعت دل کی حامل تھی۔اس نے تعاون کیا۔شادی ہوگئی۔"(8)

اگراس کے ساتھ ان کے دوست ممتاز مفتی، محمد حسین اوراس کے ایک بھائی نہ ہوتے تواس کے لیے مرضی کی شادی کرنا مشکل تھی۔اس کی شخصیت ہی پراسرار سی تھی۔اپنی خواہشات کواپنے تک محدود رکھنے کے عادی تھے۔ان کی شخصیت اور گونگے پن کے حوالے سے بانو قدسیہ راہ رواں میں لکھتی ہیں:

''بہت کم لوگ اس حقیقت سے واقف ہیں کہ یہ باتوں کے جال بن کر مجمع لگانے والا، مجمع میں رنگینی کی روح دوڑانے والا، ہنسنے ہنسانے والا داستان گو در حقیقت گونگا ہے،ازلی گونگا۔اس کی شخصیت دکھ اور چپ کے تانے بانے سے بنی ہے۔اس کی بزم آرائی اور زعفران زاری شخصیت کے دو بنیادی عناصر دکھ اور چپ سے فرار کی سعی پیہم ہے۔اس خطرہ جبر و قہر کے خلاف ایک صدائے احتجاج ہے۔ایک رد عمل، ایسا رد عمل جس کے تحت پودے کشش ثقل کی زنجیروں کے خلاف احتجاجاً پھوٹتے ہیں۔اُگتے ہیں، بڑھتے ہیں،ابھرتے ہیں۔"(9)

انفرادی طور پر اشفاق احمد لوگوں کی خدمت کرنے والا آدمی تھااور مجلسی آدمی ہونے کے ناطے وہ ہر وقت کچھ نہ کچھ بولتا رہتا تھا۔ اس کے کہے ہوئے الفاظ میں ہمیشہ مٹھاس،انسیت اور تاثیر ہوتی تھی۔ یہاں یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ شاید اشفاق احمد ذاتی طور پر تنہا رہنا ہی نہیں چاہتا تھا کہ تنہائی میں اس کو اور سوچنے کا موقع ملتا اور وہ خیالات کی گنجلک وادیوں میں اُتر جاتا۔اس طرح کے رویوں کے حامل لوگ زمان و مکان اور دن رات کی پابندیوں سے ماورا رہنا چاہتے ہیں اور مروجہ اصولوں سے باغی ہو جاتے ہیں۔ لیکن اس کی بغاوت تخریبی کے بجائے تعمیری تھی۔

اشفاق احمد کو زندگی میں وہ سب کچھ ملا جس کی اسے خواہش تھی۔دنیا میں بہت سے لوگوں کو سب کچھ ان کی خواہش کے مطابق مل جاتا ہے۔اس معاملے میں بھی اس کو یہ خصوصیت حاصل تھی کہ اسے بھی سب کچھ ملا لیکن اس انداز سے ملا جس انداز سے وہ حاصل کرنا چاہتا تھا۔اس کے باوجود اس کی تلاش کا سفر اس کی موت تک ختم نہ ہوا اور ڈیروں اور خانقاؤں پر جاتا رہا اور وہ لوگوں سے ملتا رہا۔ان سے سیکھتا رہا۔ تلاش حق کے اس سفر میں وہ موت تک سرگرداں رہا۔یہ اس کی انفرادی زندگی کا سب سے روشن پہلو تھا۔

اشفاق احمد اپنے بھائیوں میں سب سے چھوٹا تھا۔ان سے چھوٹی ایک بہن تھی۔ان کے بڑے بھائیوں کو سکولوں میں داخل کروایا گیا تھا۔ان تک آتے آتے ان کے گھرانے میں تعلیم کے حوالے سے کوئی خاص مقصد باقی نہیں رہا تھا۔بس جہاں بھی پڑھ لیں بس پڑھ لیں۔ مدرسوں کی تعلیم بھی معیاری تھی۔اسی لیے اشفاق احمد کو مدرسے میں داخل کروایا گیا۔جہاں سے اس کی روحانی زندگی کا آغاز ہوا۔ان کا ذہن

eISSN: 2707-6229
pISSN: 2707-6210

Vol. 3 No. 4 (2025)

اور اس کی فکر اس طرف مائل ہو گئی۔ پٹھان خاندان سے تعلق تھا اور ان کے والد سخت گیر پٹھان۔ ان کو یہ تعلیم پسند نہیں تھی۔ رؤف ظفر اپنے ایک مضمون میں اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> "اشفاق احمد نے کھاتے پیتے گھرانے میں جنم لیا۔ وہ بھائیوں میں ایک کے سوا سب سے چھوٹے تھے۔ باپ ایک قابل، محنتی اور ماہر پٹھان تھا۔ جس کی مرضی کے خلاف گھر میں پتہ بھی نہیں ہل سکتا تھا۔ گھر کا ماحول روایتی تھا۔ بندشیں ہی بندشیں تھیں لیکن انہوں نے نہ صرف یہ روایات توڑ دیں بلکہ دکھ اور چپ کے تانے بانے سے بنی زندگی کو زعفران زار بنا دیا"(10)

اشفاق احمد گھر میں چھوٹا ہونے کی وجہ سے کوئی بات نہیں منوا سکتا تھا اور نہ کوئی ان کی کسی بات کو کوئی توجہ دیتا تھا۔ چھوٹوں کو کم ہی اہمیت دی جاتی ہے انہیں ہمیشہ چھوٹا ہی سمجھا جاتا ہے۔ چاہے وہ بڑے ہو جائیں۔ وہ سب کے لیے بس چھوٹا ہوتا ہے۔ اشفاق احمد کو گھر میں سب سے چھوٹا سمجھ کر اس طرح انہیں برتا گیا۔ اس وجہ سے ان کی شخصیت پر جو اثر پڑا اسے بانو قدسیہ ''راہِ رواں'' میں ان الفاظ میں بیان کرتی ہیں:

> ''خان منزل میں صرف پٹھان خصوصیات کی قدر و منزلت تھی۔ چونکہ اشفاق ان خصوصیات سے محروم تھا، لہٰذا اس گھر میں وہ سب سے چھوٹا باشہ متیا تھا۔ چونکہ ازلی گونگا تھا اس لیے متکلم احتجاج نہیں کر سکتا تھا۔ یوں اشفاق احمد کی دبکی تہوں میں احتجاج کا ایک طوفان اکٹھا ہوتا رہا اسی عرصہ دراز سے دبے ہوئے طوفان کی وجہ سے اشفاق احمد آج بھی کسی کی عظمت کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں۔ وہ کسی لحاظ سے کسی پہلو سے اپنے آپ کو باشہ متیا سمجھنے یا ماننے پر آمادہ نہیں ہو سکتا۔"(11)

اسی وجہ سے انہوں نے اپنے گھر میں اپنے لیے پہلے نیم چھتی والے کمرے کا انتخاب کیا۔ یہ ان کی گھر کے افراد اور ان کے اصولوں سے پہلی بغاوت تھی۔ پھر شادی تک اشفاق احمد نے زیادہ وقت اسی نیم چھتی کے کمرے میں گزارا۔ بانو قدسیہ سے شادی کے بعد اسے بھگوڑا قرار دیا گیا۔ اس لیے وہ شادی کے ابتدائی دنوں میں مسز چٹھہ کے گھر رہے۔ بعد میں کرایے کا گھر لے کر الگ ہو گئے۔ اپنے بہن بھائیوں کے ساتھ بھی اچھے طریقے سے میل ملاپ رکھتے۔ بانو قدسیہ کے ساتھ بھی اچھی ازدواجی زندگی گزری۔ اپنے بچوں انیق، انیس اور اثیر کے ساتھ بھی اچھے رہے۔ انہیں کبھی بھی اپنی روایات کا پابند نہیں بنایا۔ انہیں مرضی کی زندگی گزارنے کا حق دیا۔ ہر لمحہ ان کے ساتھ رہے۔

اشفاق احمد معاشرے کے ایک فرد کی حیثیت سے انتہائی نستعلیق آدمی کے طور پر رہا۔ جو ہر قدم پر لوگوں کی مدد کے لیے تیار ہوتا ہے۔ اس کی شخصیت کے بہت سے پہلو ہیں۔ وہ ایک کامیاب انسان تھا لیکن ان کی تمام کامیابیاں اپنی محنت کوشش اور لگن سے حاصل کی ہوئی تھیں۔ اس نے خود اپنی منزل کا تعین کیا تھا اور اس کے لیے راستہ بھی خود چنا تھا۔ اس راستے میں اس کو جو سختیاں اور مشکلات پیش آتی

eISSN: 2707-6229
pISSN: 2707-6210

Vol. 3 No. 4 (2025)

رہیں اس نے ان تمام مشکلات پر آنسو بہانے کے بجائے ان سے نئے نئے راستے نکالے اور اپنے ذاتی تجربات کو اجتماعیت کی طرف لے کر گیا۔ معاشرے کے ایک فرد کی حیثیت سے وہ ایک خوبصورت انسان تھا۔ ہر دم لوگوں کی مدد کرنے میں آمادہ رہتا تھا۔ ان کا مدد کرنے کا انداز ہ اس کی ذات کی طرح منفرد تھا۔ اس نے لوگوں کی مدد ایسے کی کہ کسی کو اس کی مدد کرنے کا پتہ بھی نہ چلا۔ ایسے ہی ایک واقعہ اے حمید نے لکھا کہ اشفاق احمد نے شمیم نامی لڑکی کی مدد کی اور ظالموں سے بچا کر اس کی من پسند جگہ کرم داد کے ساتھ شادی کروائی۔ اے حمید اس ساری کاروائی میں ان کے ساتھ تھا۔ اشفاق احمد نے انہیں منع کیا تھا کہ تم اس واقعے کا کسی سے ذکر نہیں کرو گے لیکن اے حمید کا کہنا ہے کہ میں یہ وعدہ توڑ رہا ہوں۔ کیونکہ اشفاق احمد کا کوئی غلط کام نہیں جس کو چھپایا جائے کیونکہ جس کی اشفاق احمد نے مدد کی اور اپنے لیے پریشانیاں بنائیں۔ اس نے اچھی زندگی گزاری۔ ایک وفادار اور فرمانبردار بیوی کے طور پر رہی۔ اے حمید اس کے متعلق لکھتے ہیں:

> ''وہ بڑی کامیاب بیوی ثابت ہوئی۔ اس نے گھر گرہستی کو خوب سنبھالا۔ اس کے ہاں چار لڑکے پیدا ہوئے۔ اشفاق ان کی طرف سے بے خبر نہیں تھا۔ وہ ان کا حال احوال کرتا رہتا تھا اور وقت پڑھنے پر ان کی مدد بھی کرتا تھا۔ کرم داد بھی بڑا اچھا خاوند ثابت ہوا۔ آج شمیم بڑی فارغ البال زندگی بسر کر رہی ہے۔ اس کے چاروں لڑکے برسر روزگار ہیں۔۔۔ جب کبھی شمیم یا اس کا کوئی بیٹا یا کرم داد لاہور آتے ہیں تو سیدھے اشفاق کے ہاں آتے ہیں اور مجھ سے بھی ملتے ہیں۔"(12)

اشفاق احمد کی شخصیت وہ سایہ دار درخت تھی جس کی چھاؤں میں چھوٹے بچوں سے لے کر بوڑھوں تک آکر سستاتے تھے اور گہری چھاؤں کا لطف اٹھاتے تھے۔ سارے لوگ اپنے چھوٹے چھوٹے مسائل اشفاق احمد سے شیئر کرتے تھے اور رہنمائی حاصل کرتے تھے۔ وہ بطور ڈائریکٹر جنرل انتہائی سخت گیر باس تھا۔ لیکن ایسا صرف دفتری اوقات میں تھا۔ دفتری اوقات کے بعد جہاں تک ممکن ہو سکا ہر کس و ناکس کی مدد کی اور ہر حوالے سے ان کے لیے آسانیاں پیدا کیں۔

اشفاق احمد کا اٹھنا بیٹھنا بھی جن لوگوں کے ساتھ تھا ان سب کے لیے بھی وہ ایک بذلہ سنج، راست گو اور علمی شخصیت تھی۔ اشفاق احمد اپنے ارد گرد کے مناظر سے نہ صرف لطف اندوز ہوتا تھا بلکہ ان مناظر کو اپنی روح کے اندر اتارنے کے فن سے بھی آشنا تھا۔ اس کے ارد گرد ہونے والے واقعات ڈیروں اور خانقاؤں سے سنی ہوئی حکایات بابوں اور صوفیوں کے کہے ہوئے الفاظ جب اس کی ذات کی بھٹی میں سے گزرتے تھے تو وہ دلنشین، دلگداز اور موثر حکایات بن جاتی تھی۔ اس کو یہ کمال حاصل تھا کہ وہ محفل کا رخ اپنے مرضی کے موضوعات کی طرف موڑنے کا ملکہ رکھتا تھا۔ جس محفل میں بیٹھ جاتا اس کی جان بن جاتا تھا۔ وہ اپنی باتوں کے جادو سے ایسا تار و پود بنتا تھا کہ سامع یا قاری و ناظر اپنے آپ کو روک نہیں پاتا تھا اور ان کی لکھی ہوئی باتوں کے سحر میں کھو جاتا تھا۔ اس کا انداز گفتگو شستہ اور عام فہم تھا۔ لوگوں کے ساتھ ان کے تعلقات کبھی بھی نہ تو ان کی شخصیت کے آڑے آئے اور نہ ہی اس نے ان تعلقات کو اپنے ذاتی فائدے کے لیے استعمال کیا۔ وہ

eISSN: 2707-6229
pISSN: 2707-6210

Vol. 3 No. 4 (2025)

اپنے آپ کو ہمیشہ طالب علم اور علم وادب کے متلاشی کے طور پر پیش کرتا تھا۔ اشفاق احمد کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنے افکار و نظریات سے لوگوں کے ذہنوں کو بدل کر رکھ دیا اور لوگوں کی توجہ کو بابوں، خانقاؤں کی طرف موڑ دیا۔ جہاں بابے جاہ و جلال کی علامت ہوتے ہیں۔ وہ کچھ بھی کر دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور اسی صلاحیت کا استعمال کر کے بابے اپنی مرضی کے نتائج حاصل کر سکتے ہیں۔ بابوں کا جو تصور ہمارے ہاں پایا جاتا ہے اشفاق کے بابے ان سے یکسر مختلف ہیں۔ اشفاق احمد کے بابوں میں مروجہ خانقائی عکس نہیں ملتا ہے۔ نہ تو مریدوں کا رش نہ تو نیاز کی بارش اور نہ ہی تجلیات کا اُترنا۔ ایسی کوئی خوبی ان کے بابوں کے ہاں نہیں ملتی۔ اشفاق احمد کی شخصیت کے دو رخ تھے۔ ایک ادیب اور سرکاری منصب کے طور پر تھا اور دوسرا اپنی ذات کی پہچان کے لیے تلاش حق کا سفر تھا۔ لیکن وہ اس سفر میں ہمیشہ سے اپنے قاری، سامع اور ناظر کو بھی ساتھ ساتھ لے کر چلتا رہا۔ پھر بابے اشفاق احمد کی زندگی میں اتنے دخیل ہو گئے کہ اشفاق احمد کے تمام معاملات اور گفتگو میں ان بابوں کا ذکر اور ان کی فکر کا تصور جھلکنے لگا۔ ہر دم کچھ سیکھنے کی خواہش اشفاق احمد کی شخصیت کا وہ وصف ہے جو ان کو باقی لوگوں سے جدا کرتا ہے۔ اسی وجہ سے ان کے نزدیک باباہر وہ شخص ہر وہ عورت ہر وہ بچہ ہو سکتا ہے جو کہ اللہ کی طرف سے دیے گئے علم، سوچ اور تجربے اور فکر کو استعمال کرتے ہوئے زندگی کا ڈھنگ بتادے۔ یا زندگی کا راستہ متعین کر دے۔

حاصل کلام یہ کہ ان کے رسالے ''داستان گو'' سے ابتداء ہوئی اور آج ان کے مرنے کے بعد بھی اردو ادب سے ذرا سی دلچسپی رکھنے والے کے سامنے لفظ ''داستان گو'' ادا کرتے ہیں تو اس کا مطلب اشفاق احمد ہی لیا جاتا ہے۔ گویا ۱۹۲۵ء میں پیدا ہونے والا داستان گو اپنی داستان (جو کہ صرف داستان نہ تھی بلکہ زندگی، الفاظ زندگی کی صورت میں تھی) کے اندر چھپے ہوئے معنی سے آگاہ تھے۔ ۱۹۲۵ء سے آغاز ہونے والی داستانوی خصوصیت یہ کہ وہ اپنی داستان خود سناتا تھا اس کی زندگی کے وہ تمام روشن پہلو جو کہ اس کی شخصیت کے ساتھ چلے گئے۔ ان کی تحریروں میں جو بھی ہے وہ سب کچھ اشفاق احمد ہے۔ اس نے اپنی زبان سے ہم تک پہنچا دیا۔ داستان کا لفظ اشفاق احمد کی زندگی کا ''لائف'' رسالہ نکالا تو اس کا نام داستان گو رکھا۔ جب اشفاق احمد ایک پنچھی کی طرح پرواز کرتے کرتے تھک گیا تو اس جگہ کا نام بھی داستان سرائے رکھ دیا۔ اشفاق احمد کے منہ سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ اندھیری راتوں میں راستے میں لگے ہوئے ٹمٹماتے ہوئے چراغوں کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس کو دیکھتے ہوئے راہی اپنی منزل کا تعین کرتے ہیں اور وہ منزل عرفان حق اور عرفان ذات کے سوا اور کچھ نہیں۔ اشفاق احمد اپنی تمام تحریروں میں لوگوں کے حقیقی خالق کے اوپر مرتکز کرنے کے لیے بولتا رہا اور داستان سناتا رہا۔ زیست اور اس کے متعلقہ رموز اللہ تعالیٰ نے ان کے اوپر وا کیے ہوئے تھا اور اس نے بجائے اس میں اپنی مرضی کے زندگی کے رنگ بھرنے کے انہی کو اپنے اوپر لاگو کر دیا۔ اشفاق احمد نے زندگی کو اتنے قریب سے دیکھا کہ جب انہوں نے اپنے گھر کا نام ''داستان سرائے'' رکھا۔ شاید اردو ادب میں ایسا داستان گو جو کہ منفرد خیال و افکار کا حامل تھا دوبارہ پیدا نہ ہو سکے۔

eISSN: 2707-6229
pISSN: 2707-6210

تصدیق

Vol. 3 No. 4 (2025)

حوالہ جات

1۔ افتخار مجاز، عرفان احمد خان، مرتبین، ''اردو کا آخری داستان گو''، عاصم کمپوزنگ سنٹر لاہور، ص150
2۔ محمد شاہد، مرتبہ، ''اشفاق احمد بے نیاز صوفی بابا''، علم دوست پبلی کیشنز لاہور، س ن، ص11
3۔ محمد نواز کھرل، مرتبہ، ''باتوں سے خوشبو آئے''، زاویہ پبلشرز لاہور، بار اول 2007، ص64
4۔ نوید الحسن، ''توقیت اشفاق''، مشمولہ ''راوی۔ اشفاق احمد نمبر''، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی لاہور 2005 ص87
5۔ محمد نواز کھرل، کتاب مذکور، ص123
6۔ نوید الحسن، ''توقیت اشفاق''، مشمولہ ''راوی۔ اشفاق احمد نمبر''، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی لاہور 2005 ص47
7۔ افتخار مجاز و عرفان احمد خان، مرتبین، ''اردو کا آخری داستان گو''، عاصم کمپوزنگ سنٹر لاہور، س ن، ص57
8۔ محمد شاہد، کتاب مذکور، ص41
9۔ بانو قدسیہ، کتاب مذکور، ص125
10۔ محمد نواز کھرل، کتاب مذکور، ص22
11۔ ممتاز مفتی، ''الکھ نگری''، الفیصل ناشران وتاجران کتب لاہور، مارچ 2010ء، ص277
12۔ اے حمید، ''داستان گو''، سنگ میل لاہور، 2004ء، ص132

References in Roman

1. Iftikhār Majāz and Irfān Aḥmad Khān, murattibīn, *Urdu kā Ākhrī Dāstān-go*, Āṣim Composing Center, Lahore, p. 150.
2. Muḥammad Shāhid, murattib, *Ashfāq Aḥmad Beniyāz Ṣūfī Bābā*, ʿIlm-Dōst Publications, Lahore, s.n., p. 11.
3. Muḥammad Nawāz Kharl, murattib, *Bātoṅ se Khushbū Āe*, Zāviya Publishers, Lahore, first edition, 2007, p. 64.
4. Navīd al-Ḥasan, "Tawqīt-e Ashfāq," mashmūlah *Rāwī: Ashfāq Aḥmad Number*, Government College University, Lahore, 2005, p. 87.
5. Muḥammad Nawāz Kharl, kitāb-e maẕkūr, p. 123.
6. Navīd al-Ḥasan, "Tawqīt-e Ashfāq," mashmūlah *Rāwī: Ashfāq Aḥmad Number*, Government College University, Lahore, 2005, p. 47.

eISSN: 2707-6229
pISSN: 2707-6210

Vol. 3 No. 4 (2025)

7. Iftikhār Majāz and Irfān Aḥmad Khān, murattibīn, *Urdu kā Ākhrī Dāstān-go*, Āṣim Composing Center, Lahore, s.n., p. 57.
8. Muḥammad Shāhid, kitāb-e maẕkūr, p. 41.
9. Bāno Qudsiyah, kitāb-e maẕkūr, p. 125.
10. Muḥammad Nawāz Kharl, kitāb-e maẕkūr, p. 22.
11. Mumtāz Muftī, *Alakh Nagri*, Al-Faisal Nāshrān-o-Tājirān-e Kutub, Lahore, March 2010, p. 277.
12. A. Ḥamīd, *Dāstān-go*, Sang-e Mīl, Lahore, 2004, p. 132